بودلک

احمد فراز

Year of Edition 2005
ISBN-81-87666-17-X
Price. Rs. 80/=

نام کتاب.......................................بودلک۔
مصنف..احمد فراز
اشاعت.......................................2005۔
قیمت.......................................۸۰روپے
مطبع.......................................

Published by:
Kitabi Duniya
1955, Turkman Gate, Delhi-6 (INDIA)
E-mail kitabiduniya@rediffmail.co

ڈاکٹر رفیق جان

کے نام

وہ کافر جو۔۔۔۔

بہت پہلے میں نے ایک افریقی ادیب (اب اس کا نام یاد نہیں) کا ایک کھیل The Oda Oak پڑھا تھا۔ مجھے یہ بہت پسند آیا اور میں نے چاہا کہ اسے اردو نظم میں منتقل کروں۔ تھوڑا بہت آغاز بھی کیا مگر پھر کتاب کہیں ادھر اُدھر ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد مجھے ریڈیو پاکستان پشاور کے ڈائریکٹر جناب سجاد حیدر صاحب نے کہا کہ میں چترال جاؤں اور وہاں کافرستان وادی کے لوگوں کی بود و باش کے بارے میں کچھ مواد اکٹھا کروں۔ میری مدد کے لیے انہوں نے ایک انجینیئر سعید اور ایک پروڈیوسر یاسط سلیم صدیقی جو خود بھی ایک ممتاز ڈرامہ نگار ہیں، ہمراہ کر دیئے۔ میں نے اپنے طور پر اس قافلے میں اپنے دیرینہ دوست ضیاء الدین ضیاء کو بھی شامل کر لیا اور ہم سرکاری جیپ میں چترال کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہ سفر کچھ تو ہمراہیوں کی وجہ سے اور کچھ ایک نئی دنیا کی دید کے شوق نے کافی Thrilling بنا دیا، ہم وہاں ہفتہ دس دن تک کافرستان کی مختلف وادیوں کیلاش، بمبریت وغیرہ میں گھومتے رہے "کافر" لوگوں کے رہن سہن، رسم و رواج، زبان، رقص اور موسیقی کے بارے میں مشاہدات جذب اور مواد جمع کرتے رہے۔ یہ سفر بہت ہی زیادہ دلچسپ، معلوماتی اور کہیں کہیں انتہائی خطرناک بھی تھا۔

ہم وہاں کی کیلاشی زبان اور دوسری مقامی بولیوں کے لوک گیت اور ان کی دھنیں اس طرح خوشی اور تجسس سے جمع کرتے رہے جیسے مغربی مہم جو افریقہ سے سونا اور قیمتی پتھر لایا کرتے تھے۔ ۔ بہر طور یہ سفر اپنی جگہ ایک سفرنامہ کا حق رکھتا تھا میرا ارادہ بھی تھا کہ میں کچھ لکھوں لیکن میں نے جو Notes تیار کیے تھے وہ کہیں ادھر ادھر ہو گئے اور آج تک نہیں ملے۔ البتہ ایک شام جس کا پورا تاثر میرے دل و دماغ میں نقش ہو گیا وہ کافر دوشیزاؤں کا رقص تھا اور ان کی سرخیل کشان بی بی کا حسن اور دلفریب شخصیت تھی۔ ۔یہیں مجھے غالب کا مصرعہ بار بار یاد آیا۔

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

چنانچہ پشاور پہنچتے ہی میری پہلی تخلیق کشان بی بی تھی جو میری کتاب نایافت میں شامل ہے۔ دوسری تخلیق بودلک کا منظوم ڈرامہ ہے جو کافرستان کے بعض روایتی کرداروں اور کچھ افریقی مصنف کے اوڈا اوک (Oda Oak) کا ملغوبہ ہے۔ میں اسے نہ تو ترجمہ کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی (Adaptation) جب ریڈیو پاکستان پشاور نے جشن تمثیل کے لیے منظوم کھیل کا تقاضا کیا تو میرے ذہن میں کافرستان کے کردار، وہاں کے رسم و رواج اور محبت و رقابت کے جذبات لشکارنے لگے۔ چنانچہ میں نے یہ منظوم کھیل لکھنا شروع کر دیا۔ کھیل کے آخری حصے تو اس طرح لکھے گئے کہ ادھر ریڈیو پاکستان کا نقل نویس کاغذ اور قلم لیے تیار بیٹھا ہوتا اور ادھر میں منظوم سطروں کی پرچیاں لکھ لکھ کر اس کے حوالے کرتا اور مسودے کی کاپیوں کے بنتے ہی ڈرامہ آرٹسٹ اس کی ریہرسل کرنے لگتے۔ اس عجلت اور افراتفری میں اس منظوم کھیل کی تکمیل ہوئی۔

جب یہ نشر ہوا تو خاصی Controversy چلی۔ بعض لوگوں نے اسے فحش اور قابل ملامت گردانا اور بعض سننے والوں نے اسے تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیا۔

بہر طور یہ مسودہ پڑا رہا۔ پچھلے دنوں کہیں کباڑ خانے میں کسی اور مسودہ کی تلاش میں

تھا کہ یہ پلندہ مل گیا۔ میں نے ایک نظر دیکھا پھر پڑھا۔ مجھے اچھا لگا اور اپنے پبلشر آصف محمود صاحب کے سپرد کر دیا۔ اور ان کا خیال یہ ہے کہ اسے چھاپ کر آپ کے سپرد کر دیا جائے۔ میں اس کے بارے میں اور کچھ تو نہیں کہہ سکتا مگر صرف یہ کہ ہے پڑھنے کی چیز۔ کہ نہ مجھے اس تحریر پر فخر ہے اور نہ ہی ندامت۔

احمد فراز

کردار

بودلک۔۔	وادی کا مضبوط بیٹا
تلش۔۔	بودلک کا فلسفی دوست
ڈگول۔۔	بودلک کی منتخب دلہن
پیرِ دانا۔۔	وادی کا روحانی بزرگ
پہلا بڑا	وادی کے اکابرین
دوسرا بڑا	
تیسرا بڑا	

بودلک

پہلا منظر

بودلک۔۔ گلشن میرے ہمدم
کہو کوئی اچھی خبر لے کے آتے ہو
میں صبح سے مضطرب تھا
تمہیں کیا خبر
مجھ پہ یہ رات کتنی کڑی تھی
میں اک پل بھی سویا نہیں
اور پھر۔۔۔ نیند آتی تو کیسے
جب اک خوبصورت دلہن کی
جواں گرم سانسوں سے
میرا بدن
ایک چیتے کی مانند وحشی بنا تھا
تمہیں میری بے صبر آنکھوں نے نخلِ مقدس

کی جانب سے آتے
ہزاروں امیدوں سے دیکھا
یقیناً کوئی مژدہ۔ جانفزا لے کے آئے ہو
کیا تم نے نخل مقدس کے درویش دانا سے
میرے لیے بات کی۔۔۔؟

تلش۔۔ بودلک پاک معبد کا درویش کب چاہتا ہے
کہ وہ تیرے بارے میں باتیں کرے
یا وہ مجھ سے ملے
کیونکہ اس کو یہ شک ہے
کہ میں غیر لوگوں کی مشکوک حکمت کا پرچار کرتا ہوں
تم جانتے ہو
یہاں تیری موجودگی پاک روحوں کی آسودگی میں
خلل ڈالتی ہے
۔۔۔۔ تجھے علم ہے بودلک
اجنبی حملہ آور یہاں سے مجھے اور کچھ دوسرے بدنصیبوں کو
پھیلے ہوئے پانیوں کی طرف لے گئے تھے
مگر میری قسمت
کہ میں ان کے چنگل سے خود کو بڑی مشکلوں سے چھڑا کر

یہاں جب سے آیا ہوں
بستی کے پیرانِ دانا کے ادراک میں
ناپسندیدہ ہوں
اور نخلِ مقدس کا بوڑھا پروہت
مجھے دیکھنا تک نہیں چاہتا
کیونکہ اس کو شبہ ہے
کہ میں غیر لوگوں میں رہ کر نئی طرز سے سوچنے لگ گیا ہوں

بودلک۔۔ تو کیا اس کڑے وقت میں
تم بھی مجھ سے الگ ہو گئے ہو؟
مرے دوست
داناؤں نے سچ کہا ہے
کہ گرتا ہوا پیڑ کلہاڑیوں ہی کو آواز دیتا ہے
میں بھی اب ایسا ہی اک نخلِ افتادہ ہوں
اور بھی ہاتھ میری قضا کو اٹھے ہیں
سبھی دوست میرے عدو ہیں
یہاں تک
کہ اجداد و آبا کی روحیں بھی مجھ سے خفا ہیں

تلیش۔۔ قبیلے کے فرزند اعلیٰ

تری بیقراری کو میں جانتا ہوں
اگرچہ قبیلے کا تو سب سے مضبوط بیٹا ہے
پھر بھی ترا قلب راتوں کو روتا ہے
تیری توانائی محرومیوں کی تپش سے پگھل کر ندی ہو رہی ہے
مگر بودلک یاد رکھ
تیرے اجداد و آبا کی ناراضگی
اپنے مُردوں کی دنیا کا اک واہمہ ہے
مگر ایک متروک عورت کی تلخی حقیقت ہے
اور اس حقیقت سے ڈر
گھر کے دیوار و در کو محبت کی شمعوں سے تابندہ کر
اے قبیلے کے مضبوط فرزندِ اوّل
میری ماں اور اپنی پیا کی دلہن کو
قوی بازوؤں میں جکڑ لے
کہ محروم عورت کی خواہش بھی وحشت میں
اک گرسنہ مشتعل کی طرح ہی خطرناک ہوتی ہے

سن-----
ابھی ایک لمحہ ہوا میں نے
تیری جواں سال بیوی کو دیکھا

جو پانی کی گاگر اٹھائے
چناروں کے چشمے سے ہو کر عجب دلربا چال سے
جھومتی آ رہی تھی

مرے دوست
اس کے جواں جسم کے زیروبم کا ترنم
...... کسی پیاسے پنچھی کی مانند تھا

بودلک
اس کا تشنہ بدن ہر جواں کی نظر کے لیے
ایک بھرپور دعوت ہے
جا اور اسے اپنی مضبوط باہوں کے حلقے میں لے لے
ترے گھر کے اندر سکوں ہو
تو شاید
کہ باہر کے طوفان بھی ختم ہو جائیں

شاید   بودلک ..
تمھیں کس قدر بے یقینی ہے ان لفظوں میں
میں بھی بے یقینی سے
اور اپنی پیاری دلہن سے بغلگیر ہونے کی منہ زور خواہش سے
پاگل ہوا جا رہا ہوں

تمش ۔۔ مگر میں یہ پھر بھی کہوں گا

کہ شاہوں کے صحن کی مانند [illegible]

بوڈک ۔۔ تو نے جو کچھ کہا ہے

وہ اپنے بزرگوں کے [illegible]

نہ [illegible] پروہت کی حکمت کی بات [illegible]

کہ یہ رسم انساں کی تاریخ سے بھی پرانی ہے

لیکن تمش

مجھ کو حیرت تو یوں ہے

کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو

تمش تم ۔۔۔ نئی حکمتوں کے پیمبر

اگر تم کو اس ہاتف غیب کے روبرو

بات کرنے کا یارا نہیں ہے

جو اپنے بزرگوں کی روحوں کی سب خواہشیں جانتا ہے

تو پھر میں بھی خائف ہوں

مجھ کو یہ شک ہے

کہ تو اپنے تازہ عقیدے پہ ثابت قدم ہے

ہمارے بزرگوں کا یہ قول ہے

وہ پرندہ جو جرأت کے نغمے سناتا ہے

اس کی نگہ میں شکاری کے نیزے سے ڈرتی نہیں ہیں
تمش ! تو بھی کب دانش و کا پرچار کرتا ہے

ج......
اور تخیلِ مقدس کے درویش کا سامنا کر
تمہی نے ہمیشہ کہا ہے
کہ ہر صداقت وہی ہے
جو دکھتے دلوں کو پریشانیوں میں سکوں بخشتی ہے
تمش......
کہ میں بھی ترے جرأت آموز اقدام سے حوصلہ دوں
تمش.. مرے جو بھی افکار ہیں جو عقیدے بھی ہیں
ان کا شجرہ درویش ان کی نظروں میں
ناقابلِ درگزر جرم ہوگا
تو کیا تو یہی پوچھتا ہے
کہ باہر کے لوگوں سے خود کو بچا کر یہاں آ گیا ہوں
تو اپنے ہی لوگوں کے نیزے سے مر جاؤں پل میں
کہ ان کی نظر میں تو میں ایک گنہ گار ہوں

..
کہ میں اپنے لوگوں سے اب مختلف سوچنے لگ گیا ہوں

مگر مجھ پہ جن حکمتوں کا اثر ہے
میں ان کے سبب اپنی جان تک کھو دوں
نہیں۔۔۔ یہ نہ ہو گا
قبیلے کے مضبوط فرزند
لیکن تری بات ہی دوسری ہے
کہ تو فخر اور سروری کی علامت ہے
تو جس نئے راستے پر چلے
لوگ ناخوش نہ ہوں گے

بودلک۔۔ تسلیم میں ہر قبیلے کا سب سے توانا جواں ہوں
مگر سب سے مجبور۔۔۔۔ سب سے فروتر
بزرگوں کی روحیں فقط جانتی ہیں
کہ میں
کیسے کمزور دل عورتوں کی طرح کرب سے چیختا ہوں
میں سب سے توانا سہی
اور یہ سب جانتے ہیں
کہ میں کیسے اپنے شکاری جوانوں کو لے کر
گھنے جنگلوں کے اندھیروں میں
خونخوار وحشی درندوں سے بے خوف لڑتا رہا ہوں

مگر میرے اسلاف کے کان
میرے دکھی دل کی چیخوں کو سننے سے عاری رہے ہیں

تمش...

سنو بودمک
اپنے اجداد کی پاک روحیں تو ہم سے
فقط قوتیں اور قربانیاں چاہتی ہیں
یہ سچ ہے کہ میں
اپنے لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہوں
مرے سامنے ہیں
یہ خطرناک دریا
یہ تاریک جنگل یہ مرگ آفریں دشت
وحشت فزا وادیاں
بدنما کوہسار
اور ان سے ادھر
دشمنوں کے پرے
پھر بھی میں کتنا بے بس ہوں لاچار ہوں
اے تلش... ان عظیم آسمانوں کی وحشت بھری
گھن گرج سے
مرا دل لرزتا نہیں

داڑھی کھجاتے ہوئے آگے کی سمت

[illegible]

قطش تم کو معلوم ہے

میں قبیلے کے کئی جوانوں کو تنہا درندوں سے

بچا سکتا ہوں

مجھے اپنی قوت پہ جتنا گھمنڈ اور تکبر ہوا ہے

مگر اب میں اپنی دلہن کے بڑھتے ہوئے جسم کو

اپنی باہوں میں لینے سے ڈرتا ہوں

کیونکہ میرے سامنے اس کا انجام ہے

وہ معصوم بچہ قبیلے کے منسوبہ بیٹے کا فرزند ہو

ہمیشہ کی مانند

دیوتاؤں کی تسکین کے لیے بھی قتل ہوگا

یہی رسم صدیوں سے جاری ہے... لیکن....

نہیں اے نئی حکمتوں کے پیمبر قطش

یہ نہ ہوگا

قطش جب تک پاک روحیں مرے عزم سے بے خبر ہیں

میں اپنی دلہن کو کبھی [illegible] نہ دوں گا

قطش . چلا جاوا....

بزرگوں کے مُردوں کی آسودگی بس یہی چاہتی ہے
کہ یہ رسم
انساں کی یادداشت سے بھی پرانی ہے
روزِ ازل سے چلی آ رہی ہے
بہادر بن اے بودمک
اور اپنی دلہن کی بھڑکتی ہوئی خواہشوں کو بجھا
ورنہ اس کا جوان اور نشیلا بدن دوسروں کے لیے
ایک بے باک ترغیب بن جائے گا
جو اسے آہنی بازوؤں میں جکڑ لے جو ہوتا ہے ہونے دے
کل کے دکھوں کا مداوا بھی کل ہے

بودمک۔۔ نہیں یہ نہ ہوگا قلش
میں اگر جھک گیا اب
تو تو چاند و نوماہ بھی ذرات نہیں ہیں
کوئی برق پا ساعتوں کو نہیں روک سکتا
تو پھر یوں سہی
میری سرتاب خواہش میرے تنگ پنجے میں ڈوبی رہے
اور شوہر کا یہ روگ
گھن کی طرح

اس کی بحر جوانی لوٹتا رہے
ور مغرور روحوں کا نام تکبر
یونہی بخش سے لڑتا ہی رہے
اے تلش خواہ کچھ ہو میں ہر صورت میں پندار میں زندہ رہوں گا
اگرچہ میں جی سے یہی چاہتا ہوں
مرے دوست خواہ کا ذرہ کچھ نہیں
اور پھر؟

تلش۔۔ آنے والے زمانوں کا غم بزدلی ہے
نویلی دلہن کو نہ چھونا تو ایسا ہے
جیسے کسی قبر پر کوئی غنچہ کھلے
راہگیر اس کو اپنی ہوسناک نظروں سے دیکھیں
مگر اس کی رعنائیاں نارسا ہوں
نہیں یہ قبیلہ کے فرزند کو زیب نہیں

بودلک۔ کیا کروں میں تو خود خواہشوں کے جہنم کا ایندھن بنا
پھنک رہا ہوں
مگر میں نہیں چاہتا
ایک معصوم جاں جس کا مکھ
مرے اور ژگول کے خوں سے عبارت ہو

وہ صرف مُردوں کی کاذب مسرت کی نذرقہ ہو
مری خواہش کی تڑپ مجھ کو اپنی دلہن کے لیے کھینچتی ہے
مگر آنے والے زمانوں کا دکھ جو میری روح کا خوف ہے
جو عذاب قبر ہے
مجھے روکتا ہے
ہمارے لیے وصل کی لذتیں
گرم راتوں کی توصیل
طاعون کی اس بلا کو جگانا ہے جو
میری عورت کی ترسی ہوئی کوکھ میں جا بسے گی

تلاش اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو گا
کہ میں اور میری دلہن ساتھ رہ کر بھی
اک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں
یہی پیر درویش بھی چاہتا ہے
کہ میں اپنی خواہش کی دلدل میں دھنستا چلا جاؤں
اے دوست
بستی کے بوڑھے بڑوں کی شقاوت کا اندازہ کر
جن کے مردہ ضمیر اور متحجر کے چہرے

مرے کرب سے متعلق ہیں
افسوس میری بھی کوششیں بے ثمر ہیں
.... وہ اب محو

مری بد مست دلہن
سر پہ گاگر دھرے
اور سینے میں وحشی ہوس کا سمندر لیے
اس طرف آ رہی ہے
تلاش میں چلا
اس سے آنکھیں ملانا مرے واسطے اک جہنم ہے
ہر چند یوں اپنے خوابوں کے گلزار
فصل بہاراں میں ویران و بے رنگ و بو
دیکھنے سے تو بہتر یہی ہے
کہ میں اپنی ضد چھوڑ دوں
پر یہ مشکل ہے
میں جانتا ہوں
کہ اس کن کٹھن کے دوراہے پہ
میں لڑکھڑایا
تو نو چاند میرا تعاقب کریں گے

تلش میں چلا

(بودھک جاتا ہے اور ژگولہ تلش کے قریب آتی ہے)

ژگوس... تلش تُو نے دیکھا

مرے سورما کو

جو دن کے اجالوں میں آنکھیں چراتا ہے مجھ سے

تو شب کے اندھیروں میں مرے بھڑکتے تنفّس سے ڈرتا ہے

اس کے تصور میں تو چند زہرِ ہلاہل کے تو جام ہیں

اس کی سوچوں سے اس کا بدن تیغ زدہ ہو گیا ہے

مگر میں جوانی کی تنہائیوں کے تموّج سے خائف ہوں

تم ہی کہو... اے نئی سوچ کے مدعی،

کیا تمہارا تدبر ہماری مدد کر سکے گا

کہ اس پیرِ دانا کا دل سنگِ خارا ہے

جو رحم و بخشش کے جذبات سے بے خبر ہے

تلش... ژگولہ... مرے دوست کی منتخب ہمنفس

مجھ میں جرأت نہیں ہے کہ میں

پیرِ دانا سے اس سلسلے میں ملوں

ژگولہ... مجھے اس کا پہلے ہی اندیشہ تھا

یہ تمہارے لیے سخت دشوار ہے

اور میرے لیے بھی کٹھن ہے
کہ میں اس سن و سال میں اتنی تنہا رہوں
پھر جہاں تک مری عمر کا ہے تقاضا
میں فطری ضرورت سے مجبور
نو ماہ کی مختصر عمر کو
خضر کی زندگی پر بھی ترجیح دوں گی
بہاروں کے نو پھول اچھے ہوتے ان گنت موسموں سے کہیں
قیمتی ہیں

قلش... تمہارا بہادر
بڑا ہی ہٹیلا ہے
ورنہ محبت کا جادو تو پتھر کو بھی موم کر دے
یہاں تک کہ جنگل پہاڑ اور بیاباں بھی
دام تمنا کے صید زبوں ہیں
مگر بودلک..... سنگدل
میری باتیں بھی سنتا نہیں

ژرال... اے رفیق خردمند
تُو جانتا ہے کہ وادی کی سب عورتیں
اپنی سرگوشیوں میں

مجھے طنز اور طعن سے بانجھ کہتی ہیں
ان کو مری بھوک اور میری وحشی طلب کی خبر ہی نہیں
کون ان کو بتائے کہ میرا بدن لمس کی لذتوں کو ترستا ہے
میرا ابت لہو اور مرے جسم کی بے کشادہ صدف
ابر نیساں کی بوندوں کی رہ دیکھتی ہے
عروسی کے لمحے سے اب تک
قسم ہے جو میں ایک شب ایک دن بھی ہنسی ہوں
مجھے تم بھی شاید قش
ایک بیکار عورت سمجھتے ہو
ہرگز نہیں

قش..

اے قبیلے کے فرزند مجبور کی خوبصورت دلہن
کیونکہ میں درد تنہائی سے آشنا ہوں
مجھے اس کا احساس ہے
کیسے بادل کا سایہ برہنہ سلگتی ہوئی کھیتیوں سے پلٹتا ہے
میں جانتا ہوں
کہ کیسے گھنی جھاڑیوں میں نہفتہ کلی
گنگناتے ہوئے مست بھنورے کی رہ دیکھتی ہے
مجھے علم ہے

ا سے

شام ہوتے ہی کیوں
واپسی کے مسافر کی نظروں کی مانند
سورج شعاعوں سے روئے افق چومتا ہے
میں تنہائی کے کرب سے آشنا ہوں ڈیورہ
مگر مجھ کو یہ بھی خبر ہے
کہ تیرا جواں
احمقانہ اصولوں کے بندھن میں جکڑا ہوا ہے

ڈرل... یہی تو غضب ہے
کشاکش کے آرے سے دونوں کے پیکر دو نیم اور بسمل
ہمارے بدن بزدلوں کی طرح آپ اپنے گناہوں سے خائف
جو ہر سانس روزِ مکافات کے خوف سے کانپتے ہوں
ہم اک دوسرے سے سرک کر
اندھیروں کے ٹھنڈے ٹھٹھرتے کنوؤں میں
پناہ ڈھونڈتے ہیں
بھلا اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہوگا
کہ بے خواب راتوں میں
کوئی جواں بازوؤں کی تمنا میں تڑپے
جو موجود ہوتے ہوئے بھی نہ ہوں

اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہوگا

آتش... مجھے اس کا احساس ہے

اے دل فروز عورت

جوانی کے ایام محرومیوں کی تفسیر بن جائیں

تو دل... ایک سوزندہ صحرا کی صورت بھڑکتا ہے

جذبات کی آگ جب راہ پاتی نہیں ہے

تو اندر ہی اندر بدن کو جھلس ڈالتی ہے

ثروت... تو پھر

کیا ہمارے بزرگوں کی روحیں یہی چاہتی ہیں

کہ میری جوانی کا یہ لہلہاتا شجر

تا ابد عشرت خوش تنی سے نا آشنا ہی رہے

اور بالآخر

یہ شجر نامرادی سے ہی سوکھ جائے

تو کیا اپنے آبا کے مُردے یہی چاہتے ہیں

کہ میرا یہ انگارہ سا جسم

شبنم کی بوندوں کو تا مرگ ترسے

نہیں اے آتش یوں نہ ہوگا!

کوئی چشم پرشوق

وائف

جو مجھ کو احساسِ ہستی دلائے

کوئی نہ صاحب دل

جو مجھ کو محبت کی میزاں میں تولے

کہ میں ایک محروم عورت ہوں

محروم عورت

قلش... ڈگولہ یہ آساں نہیں ہے
کہ کوئی اکیلے مسافر کے غمگین رستوں کے صدمے

بیاں کر سکے

پر میں یہ جانتا ہوں

کہ تنہائی کا کرب کیا ہے

کہ جیسے کوئی رس بھرا پھل جو شاخوں سے گرنے کو ہو

اور کسی بھی پرندے کو اپنی طرف ملتفت کر نہ پائے

.....کہ جیسے کوئی گرم اندام اژدر

جو اپنے سلگتے ہوئے کھال کو خشک پیڑوں سے رگڑے

کہ جیسے کوئی چند لاکھوں ستاروں کے جلتے ہوئے بن میں

تنہا کھڑا ہو

مگر... مرے واسطے سب خلا ہے

خداؤں سے محروم ہوں

کہ کالی بلاؤں سے بھرپور راتیں
یہ سب بے حقیقت ہیں
ہاں صرف جذبات کے تند خوں کی سرگوشیاں ہی
صداقت ہیں
لیکن کوئی سننے والا تو ہو
اف یہ جانکاہ محرومیاں مجھ کو پاگل نہ کر دیں
خلا۔۔۔ چار جانب۔۔۔۔ خلا

نقش.. بس اے دختِ حوا
کہ تیرا تکلم مرے ذہن میں زلزلے لا رہا ہے
یہ پانی کی گاگر اٹھا اور۔۔۔۔۔۔ چلی جا
یہ شمشیر سا جسم، شمشاد سا قد
یہ ترغیب انگیز فتنے مری آنکھ سے دور لے جا
چلی جا۔۔۔ یہ شفاف چشموں سی آنکھیں میرے سامنے سے
ہٹا لے
کہ میرے قدم ڈرتے ہیں
چلی جا تجھے اپنی ارواح کا واسطہ تو چلی جا

ژونہ.. تو کیا میرے محروم دل کی صداؤں کو تم بھی
سماعت کا رتبہ نہ دو گے

ولب

قلش.. نہیں تو نہیں جانتی اے کم اندیش عورت
وہ آواز بھی غور سے سن
کہ جو
اپنے آبا کی روحوں کے غیظ و غضب اور سیہ آسمانوں
کی للکار کی ترجماں ہے

ژگولہ.. تف اے نامِ مردانگی
ایک کو آنے والے زمانوں کا غم
دوسرا پیرِ دانا کے چہرے سے خائف
کوئی بھی نہیں جو مری خواہشوں کے تقاضوں کو پورا کرے
اور تم تو قلش.....
میری موجودگی سے بھی لرزہ براندام ہو

قلش.. اے قیامت کے فتنے... نہیں یہ
کہ میں تیری موجودگی سے ہوں خائف
مری استقامت میں اس وقت بھی کوئی لغزش نہ آئی
جب افلاک سے پانیوں کے سمندر
ہمارے سبک جھونپڑوں پر دنوں تک برستے رہے تھے
نہ اس وقت خائف ہوا
جب جنوبی ہوا میں ہماری طرف برچھیوں کی طرح

بڑھ رہی تھیں

کہ جب موجیں پٹیوں پہ ہمارے مکان تنکوں کی طرح

ناچتے تھے

اور اب میں ترے دام سے بھی بے بس نہیں ہوں

ڈوڈر.. تو کیا تم میں، اتنی سکت ہے کہ مُردوں کی ناراضگی

اور بستی کے بوڑھے بزرگوں کی رنجش کے باوصف

مجھ کو چرالو

تھرش کیا یہ تم کر سکو گے؟

تھرش.. اگرچہ یہ سب سے بڑا پاپ ہو گا

مگر اے قیامت کی جڑ

میں یہ کروں گا

(دوسرا منظر)

نویں چاند کا آغاز ہے۔ تلش، حاملہ ژگولہ کو سہارا دیتے ہوئے
نخلِ مقدس کے قریب کھڑا ہے تاکہ بوڑھے پروہت کے
سامنے اپنے پاپ کا اقرار کر کے روحوں کی بخشش کا سزاوار ہو

تلش۔۔ اٹھ اے کوتہ اندیش عورت
سنبھل اور ہمارے غضب کی اذیت سے ڈرتی نہ ہو
دیکھ پو پھٹ چکی ہے
مگر اب تلک روشنی
تہہ بہ تہہ بادلوں کے تلے دفن ہے
یہ نحوست کی فال اور غضب کی علامت ہے

ژگولہ۔۔ ڈرتے ہوئے بوڑھے پروہت کو آواز دو
جو ہواؤں کی مخفی زباں جانتا ہے
پکارو کسی مرودہ کو

جو ترجمان ان سیہ سمندروں کی ہیبت کا ہے
جن کے آغوش میں جانے کتنی سنگ ارواح خوابیدہ ہیں
اس کو آواز دو
شدتِ کرب سے میں مری جا رہی ہوں
مرے خشک حلقوم میں برچھیوں کی طرح
میری سانسیں اڑی ہیں
.... تمہیں علم ہے
یہ نویں چاند کی آخری ساعتیں ہیں
تنفس میرے اندر کی پروردہ ہستی مری کوکھ کو
چیر کر باہر آنے کو بے تاب ہے
مرے دکھ کو آواز دو
تو صدائے زمیں کا رخ کی لئے
کہ میں خوف و ہیبت سے لرزاں بر اندام ہوں
اس مقدس شجر کا تنا
بجلیوں نے جسے پھونک کر
خاک کی شکل دی ہے
مجھے علم ہے
اس اندھیری گپھا

تنفس..

اس دریدہ شکم کرم خوردہ شجر سے ابھی
کون نکلے گا
میں اس لیے کانپتا ہوں
کہ جذباتیت کے اندھیروں میں
جس پاپ کے مرتکب ہم ہوئے ہیں
وہ اپنے بزرگوں کو برہم کرے گا
ہم ان کے لیے باعثِ ننگ ہیں
لائقِ سنگ ہیں
...... اے گنہگار عورت
تری کوکھ
جس گوشت کے لوتھڑے کی امیں ہے
اسے بوند کی بجائے مرے خون نے زندگی دی ہے
ذرا سوچ
اپنے بزرگوں کے مسلک کی رو سے
یہ کتنا بڑا سانحہ ہے
میں اس کی عقوبت سے لرزہ اندام ہوں
کیونکہ ہم اب سبھی آسمانوں کے
قہر و غضب کا نشانہ بنیں گے

زہرہ... نہیں اے تپش

اس سمے جب مرے جسم میں زچگی کی اذیت سے

بھونچال آیا ہوا ہے

عذابوں کی باتیں نہ کر

شامل کر اس مقدس شجر کے تلے

جو اس ملنے کی جگہ ہے

رسومِ کہن کے مطابق تو یوں ہے

کہ تو اس بڑے پیڑ کے زرد پتوں کو

جو آسمانی صحیفوں کے سچے ورق ہیں

زمیں سے اٹھا کر

نہایت عقیدت سے دہلیزِ معبد پہ رکھے

تری بے ادب گفتگو کی تلافی یہی ہے

تپش تو مجھے اس لیے

اس جگہ لے کے آیا تھا

تاکہ دلِ عجز اور روح کی انکساری سے

تو یزداں سے

اپنے کیے کے لیے سائلِ عفو ہو

اے نئی فکر کے مدعی

بس

سب عقیدت سے جھکے ہو

وہ درویش جو ہاتف غیب ہے

خود بخود جلوہ فروز ہوگا

تدش ۔۔ وہ درویش

جس کی نظر صرف بدیوں کو بھانپتی ہے

ژولہ ۔۔ کہاں کی بدی؟

ہاں مگر ہم نے اتنا کیا ہے

کہ اک دوسرے کے سلگتے ہوئے جسم و جاں کی

حرارت کو آپس میں بانٹا

یہ تم مرد بھی کیسی مخلوق ہو

جو تم زندگی سے شراب مسرت کے خواہاں تو ہوتے ہیں پر اس

کی قیمت ادا کرنے سے جی چراتے ہیں

اور آخر

ہمی بے مددگار مائیں

یہ قرضہ چکاتی ہیں

پہلے تو اس شرمساری کے انداز میں

جیسے اس وقت میں

اور پھر بعد میں

۲۱ ب

آنے والوں زمانوں کی سی بے یقینی کی صورت میں
جس کا مداوا اجل بھی نہیں ہے
تمش کیا حقیقی خوشی وہ نہیں
جس کے پانے میں ہم
کچھ گنوانے کو بھی دل سے تیار ہوں

تمش.. اے فسوں کار
اپنی مسرت تو
مرحوم اجداد کے زندہ سایوں کی برکت سے محروم تھی

ژگوا.. پھر بھی بچی مسرت تو تھی!

تمش.. توبہ توبہ گنہگار عورت
تری خود سری آسمانوں کے غصے کو بھڑکا رہی ہے
وہ بے رہروی جس کی ترغیب تو نے مجھے دی
اسے اب حقیقی خوشی کہہ رہی ہے
تری مثل تو اس مکھی کی ہے
جو شاہد گل کو پیہم محبت کا نغمہ سنا کر
اسے مست کر دے اسے دعوت وصل دے
اور پھر سارا الزام اس پر دھرے
..... خیر مردوں کی پرچھائیوں سے کوئی بھید مخفی نہیں ہے

یہاں تک کہ تیری وہ ترغیب بھی جس نے میری شکست کا

دھند دی تھی

تری بے ادب گفتگو تو یہ کہتی ہے

کہ جیسے ترے جسم میں کوئی بدروح رہتی ہے

کوئی آسیب تیری تباہی کے درپے ہو

ورنہ یہ دیدہ دلیری کی باتیں

یہاں معبدِ پاک کے سامنے

ہاں... اگر تیرے دل میں بغاوت کی چنگاریاں جل گئی ہیں

تو چل

اس طرف بھاگ نکلیں

جہاں آسماں اس قدر زشت صورت نہیں ہیں

تری تہمتوں نے مری قوتیں چھین لی ہیں

اور اب مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں ہے

کہ میں پیرِ دانا سے آنکھیں ملاؤں

خموش اے تنک ظرف بزدل

مجھے کیا خبر تھی

کہ وہ اجنبی حملہ آور

نئی حکمتوں کے عوض

تیری مردانگی لے گئے ہیں
بہا کیا تری دانش کو تری آگہی
اس قدر تیغ ہے... ورنہ ذہن

تنش.. گر تیری دانست میں آسمانوں کا ڈر
بزدلی ہے تو پھر واقعی میرا مسلک برا ہے
مجھے حکمت نو نے خود اپنی نظروں سے گرنا سکھایا
مجھے آگہی دی
کہ میں کس طرح نفرتوں کے جہاں میں
دلیر اور وحشی بنوں
اے بد اندیش عورت مری مان تو اور یہاں سے نکل چل

ژگور.. حیا کر
منافق!
تیری زرد آنکھوں میں میں کاسنی کہر کی جھلکیاں دیکھتی ہوں
تجھے کیا خبر
ایک تنہا حسیں فاختہ
جو کھلے دن میں شہباز کی تمکنت سے
اگر کانپتی ہے
تو شب کی سیاہی میں

منحوس تو کے بے رحم پنجوں سے ہر دم پناہ مانگی ہے
ستم ہے سراسر ستم اے قلش...
دکھ رہی ہے، اف... ذرا سہارا دے میرے اندر کی مخلوق
میں ریزہ ریزہ ہوئی جا رہی ہوں
زمانے کی نظروں میں۔ میں فاحشہ ہی سہی
پر بزرگوں کی روحیں تو عادل ہیں
اور میری مجبوریاں جانتی ہیں
میں مجرم نہیں ہوں

قلش.. اگر تو بھی مجرم نہیں ہے
تو پھر کیوں سیہ بادلوں کے خطرناک چنگل
مقدس شہر کی طرف بڑھ رہے ہیں
کہ جیسے وہ تیرا گلا گھونٹنا چاہتے ہیں
ہوس کار عورت
تجھے اپنی بدکاریوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی
خطا کار وہ ہے جو ترغیب دیتا ہے
اور جو بدی کو حقیقی خوشی کہہ رہا ہے
تو پھر
اے بزرگوں کی حکمت کے وارث

مقدس شجر کے تنے سے نکل
جو ترا پاک مسکن ہے
اور اپنے مجرم کو پہچان
اے پیرِ دانا
کہ تیری نظر صدق و باطل کی میزان ہے
جاگ
اے اپنے مُردوں کے موجود سائے
کہ تو سرد پرچھائیوں کی زباں جانتا ہے
کہ تو ہم سے اندھوں کے مخفی گناہوں کو پہچانتا ہے
صداقت کے پیغام بر
جاگ... اور عدل کر

ژگرا.. امن... اے میرے نخلِ بدن کے بنفشہ ثمر
امن
اے آفتِ جسم و جاں
تیری پاکوبیوں سے مری کوکھ چھلنی ہوتی جا رہی ہے

قلش.. تو پھر جاگ
اے پیرِ دانا
اور اپنے ہوسکار مجرم کو پہچان

(اندر سے ایک بوڑھے کی آواز آتی ہے)

پیرِ دانا۔ کون؟

اس سمے کون آیا ہے

کس نے مقدس شجر کے سائے میں

بیدار روحوں کے خفتہ پروں کو چھوا ہے

(بوڑھا باہر آتا ہے)

سحر ہو چکی ہے

مگر روشنی کیوں نہیں

چار سو اک پراسرار سی چپ

پرندے بھی شاید کسی خوف سے

آشیانوں میں سہمے ہوئے ہیں

یہ کیسی خموشی ہے

سورج کی رنگت بھی مردہ ہے

جیسے کوئی ابتدائے سفر میں ہی

صعبِ مسافت سے بیزار ہو

کیا ہوا ہے

کہ سورج بڑی سرد مہری سے پیش آ رہا ہے

(وقفہ)

عزیزو!

ذرا میرے نزدیک آؤ

مجھے اس سمے کے سماں نے

بہت مضطرب کر دیا ہے

کہ جیسے سیہ بادلوں کے لبادے میں لپٹی ہوئی صبح سے

طائران سحر خوش نہیں

ہاں۔ یہی بات ہے

اس طرف کالے بادل کے اطراف سے جھانکتی روشنی

طنز سے دانت دکھلا رہی ہے

شعاعوں کی بے مہر دھندلی چمک

جس طرح چرخ کی نیم مردہ و بیمار آنکھوں سے

بجھتی ہوئی قرمزی روشنی پھوٹتی ہے

تپش سے تہی۔ زندگی کی حرارت سے خالی

ژولہ.. (پیٹ کو سہلاتے ہوتے)

اے مرے خواب شیریں کی زہریلی تعبیر

مجھ کو پریشاں نہ کر

پیردانا.. اے عظیم آسمانوں کی ارواح

تم کوہساروں کے سنگیں دلوں کو دھڑکتے ہوئے دیکھتی ہو

ور تم پہ باطن کے وہ چور گوشے بھی ظاہر ہیں جن سے
بدی اور نیکی کے سکے اُبلتے
اپنے تجسس کی تلخی فضا میں ہوس میں گھول دو
اور اونچے پہاڑوں کی ان چوٹیوں سے جہاں تم مدت سے
فروکش ہو... اپنے ارادوں کا اظہار میری زباں سے کرو
تاکہ بستی کے لوگوں پہ تب اور صداقت عیاں ہو
بزرگوں کی روح
ہواؤں کے بیچ میں ہو
کیا اپنے مُردوں کی پرچھائیاں
صرف غیظ و غضب جانتی ہیں؟
فقط قہر ہی ان کی رحمت کا دستور ہے
صرف امبر کی بجلیاں جن کے نیزے سبھی آسمانوں کو بھی چیر دیں
ان کا سارا اثاثہ ہیں؟
وہ اپنی درگاہ کے سائلوں میں
ہمیشہ عذابوں کی خیرات ہی بانٹتے ہیں
ستم ہے
گنہگار لوگوں کے رہبر
ستم ہے

تلاش...

ژگو... سکوں

اے مری کوکھ کی آفت بے محابا

پیر دانا.. کہو... اے مری عفو کے ساتھو

پیر دانا.. تلش

تو پھر تم یہاں کس لیے آئے ہو

کیوں تمہارے بدن خوف سے کانپتے ہیں

ہواؤں کی دہشت سے لگتا ہے

جیسے بزرگوں کے مُردے غضبناک ہیں

اور بستی پہ بے نور کہرا

کسی آنے والی مصیبت کا غماز ہے

......ہمیشہ بڑوں کی بداعمالیاں

بے گناہوں کو بھی

ہواؤں کی دہشت بڑھے جا رہی ہے

یہاں تک کہ نخلِ مقدس بھی جڑ سے اکھڑنے لگا ہے

مگر ہاں

تمہی تو کہیں اس کا باعث نہیں ہو

تلش.. تجھے غیب کا علم ہے

اے مقدس پروہت

سب

میں ترغیب کے دام میں آگئی تھی

آذرمہ۔۔۔ تحمل!

کہ میں دردزہ کی اذیت میں ہوں

اور وہ معصوم جاں

جو مری کوکھ سے باہر آنے کو بیکل ہے

اندر سے مجھ کو کترنے لگی ہے

۔۔۔۔میں عاصی ہوں۔۔۔اے مردِ درویش

لیکن۔۔۔یہ لغزش تو اس وقت مجھ سے ہوئی

جب مرے آدمی نے مرے جسم کی تشنگی پر توجہ نہ دی

ہاں جوانی کے تپتے ہوئے موسموں کے شب و روز میں

زندہ رہنے کی خاطر

مجھے دوسرے شخص کو خوشہ چیں نہاں تن بنانا پڑا

جو مری ہی طرح۔۔۔اپنے گھر کے زنداں میں محبوس تھا

پیر دانا۔۔ ہوں۔۔۔۔تو پھر اے قلش

تو نے اپنی نئی حکمتوں کے سبب

اپنے پاکیزہ مسلک کو رسوا کیا

اور ہم سب پہ افتاد لانے کا موجب بنا

کیوں؟

تلش۔۔ نہیں یوں نہیں
اے بزرگ زمانہ
میں کمزور ہوں
اور ترغیب کے دام میں آگیا تھا
پیر دانا۔۔ تلش
جب تجھے اجنبی لوگ اوروں کے ہمراہ
قیدی بنا کر جزیرہ نما کشتیوں میں
کھلے پانیوں کے ادھر
ان گنی بستیوں کی طرف لے گئے تھے
تو تم پر کسی سامری نے اثر کر دیا تھا
وہ آسیب جو ان کی دانست میں
حرف اول ہے
تلش۔۔ میں.....میں تو
پیر دانا۔۔ لیکن جب اپنے بزرگوں کی روحوں نے
خوابیدہ لہروں میں طوفاں اٹھایا
تو پانی پہاڑوں کی مانند اونچا ہوا
اس سے
اجنبی کشتیوں کے نگہبان ملاح نے

حرفِ اول پڑھا
جس کے جادو سے تو برگزیدہ ہوا

نقش.. ہاں مرے ہاتفِ غیب
میں ہو گیا تھا
کہ جب پانیوں کے پہاڑ آن کے بدنما آسمانوں
کی صورت ہمارے سروں پر کھڑے تھے
تو میں بے مددگار و بے بس مکینوں کے ہمراہ تھا
اور اپنے مکاں ڈوبتے جا رہے تھے
ہزاروں مکاں
ان گنت لوگ اے پیرِ دانا
جو تعداد میں اس مقدس شجر کے خوش رنگ پتوں سے بھی
تھے زیادہ
یہاں تک کہ
اس تند طوفاں کے آگے
ہمارے بزرگوں کی روحیں بھی لاچار تھیں
اور مدد کو نہ آئیں
چنانچہ
ہزاروں کی تعداد میں ڈوبتوں کی صدائیں

پر آشوب موجیں بہا لے گئیں
اور جزیروں کی وہ دنیا تہ نشیں ہو گئی
اور پھر اجنبی کشتیوں کا زبردست ملاح بھی جس کے
ورد زباں حرف اول رہا تھا
اچانک ہی چپ ہو گیا
لیکن اب تک مرے کان میں وہ صدا گونجتی ہے

پیر دانا.. تلش... تم جسے حرف اول سمجھتے رہے ہو
کسی اجنبی روح کا نام ہو گا

تلش.. مقدس شجر کے مکیں!
حرفِ اول کی تفسیر اس کے عقیدے کی رو سے انوکھی تھی

پیر دانا.. یعنی؟

تلش.. وہ کہتا تھا
اس بزمِ ہستی کے نقشِ کہن سے بھی پہلے
فقط ایک ہی لفظ موجود تھا
اس کی برکت سے انسان پیدا ہوا
پھر اسی لفظ سے رفتہ رفتہ ہزاروں کی تعداد میں
آدمی بن گئے
پھر یہ تعداد بڑھتی گئی

اور یہاں تک
کہ ہم بھی اسی مٹی سے بنے ہیں
بزرگ اور دانا... کہیں اور بھی
سبھی
اور یہ لہروں پہ بہتے ہوئے جھونپڑوں کے مکیں بھی
جنہیں ہم... رسن در گلو کر کے قیدی بنا کے لیے جا رہے ہیں

پیر دانا.. تو گویا
وہی حرف اول ترے ذہن و دل پر ابھی نقش ہے

تلش.. ہاں
مقدس شجر کے نگہباں
معافی... بزرگوں کی روحو معافی

پیر دانا.. ذرا سوچ او بد عقیدہ
کہ جب تجھ کو لہریں بہائے لیے جا رہی تھیں
تو اس وقت اپنے ہی مردوں کی روحوں نے
سرگوشیوں میں تری رہبری کی
تجھے یہ سجھایا
کہ بہتے ہوئے جھونپڑوں کے کسی تختہ چوب پر لیٹ جا

اور یوں ڈوبنے کی بجائے
تجھے اپنی بستی کا ساحل ملا
اے بزرگوں کے بدخواہ!
تیری مثال اس غلاظت کے کیڑے کی ہے
جو زمیں کے پسینے سے پیدا ہوا
اور اسی کی گِل و خاک پر گندگی تھوکتا ہے
قلش تو نے اپنے بزرگوں کی توہین کی
تو نے اپنی سجھ بوجھ کو اس اندھیری گپھا کے حوالے کیا
جس میں غیروں کی پرچھائیاں رینگتی ہیں
یہی کچھ نہیں
بلکہ تو نے
قبیلے کے فرزندِ اعلیٰ کی بے عیب دلہن کی دوشیزگی بھی چرا لی
کم اوقات بزدل
ستم ہے
کہ وہ کوکھ جس میں قبیلے کے فرزندِ اعلیٰ کی اولاد پلتی وہاں
ایک بدنسل کی
پرورش ہو رہی ہے
تری بدشعاری نے مُردوں کی ارواح کو مشتعل کر دیا ہے

ووبک

ہوسناک!

تیرے گناہوں نے

بستی کو بے آبرو کر دیا ہے

ژگولد۔۔ (کراہتے ہوئے) تحمل

مری کوکھ کے بے پروبال طائر

تو اپنے نشیمن سے کیوں تنگ دل ہے

پیر دانا۔۔۔ صد افسوس

اے نامبارک خیالوں کے پیرو۔۔ تکلش

تیرے بارے میں ہی مجھ سے اپنے بزرگوں کی ارواح

یہ کہہ رہی ہیں

کہ تُو مر گیا تو

تری روح

ابد تک، اکیلی بھٹکتی رہے گی

اگر تُو سلامت رہا تو

دمِ مرگ تک

تیری بستی کی سب بد زباں عورتوں کی زبانیں

تجھے کوستی ہی رہیں گے

تکلش

اور ہوائیں

جو مُردوں کی سانسیں ہیں

یہ کہہ رہی ہیں

کہ بستی کے لوگ تری موت تک

تجھ کو نفرت سے دیکھیں گے

وادی کے بوڑھے بڑے تجھ سے بچ کر چلیں گے

ہوائیں

جو مُردوں کی سانسیں ہیں

یہ کہہ رہی ہیں

کہ مر کر تری روح

تیرے اجڑ اور ویراں گھروندے پہ

آوارہ بے چین منڈلائے گی

اور ترے ڈھور ڈنگر بلاؤں کی دہشت سے ڈکرائیں گے

اور تری روح

کالے عذابوں میں ہر دم رہے گی

ہوائیں جو لاریب سچ بولتی ہیں سدا

اور تو اے ڈگولہ... قبیلے کی بے مثل دختر

ڈگولہ.. (ڈر کر ہنستے ہوئے) ٹھہر

بالک

بزمِ ہستی کے ناخواندہ مہماں
مری التماس سن۔۔۔ ذرا صبر کر
پیر دانا۔۔ اور اے ہر کسی کے پسینے کی آسودگی
تُو بھی سن
تیرے اندر کی جاں کلبلاتی رہے گی
مگر عمر بھر اس حصارِ شکم سے نہ آزاد ہو گی
۔۔۔۔۔ کبھی بھی نہیں
اور ہوائیں
جو مُردوں کی آواز ہیں
اس طرح نوحہ گر ہیں
کہ اے بے وفا اے گنہگار عورت
تری کوکھ کے لوتھڑے کے مقدر میں سورج نہیں ہے
کہ یہ پاک روحوں کی نظروں میں ناپاک ہے۔۔۔ ناپسندیدہ ہے
اور مبارک چڑھاوے کے قابل نہیں
ہاں غصیلی ہوائیں
یہی کہہ رہی ہیں

تیسرا منظر

پیر دانا۔۔ دوپہر ہو چکی
لیکن اب تک کہیں روشنی کی کرن تک نہیں
(دور سے قدموں کی چاپ آتی ہے)
یہ آواز کیسی ہے
شاید کہ بستی کے پیران دانا کے ہمراہ
۔۔۔۔۔عارک کی بیٹی
تو آدمی بودلک آ رہا ہے
۔۔۔یقیناً وہی ہے
(بودلک تین بزرگوں کے ہمراہ ظاہر ہوتا ہے)
بودلک اور بستی کے بوڑھے بڑو
تم کو زندہ سلامت یہاں دیکھ کر
میں بہت خوش ہوا ہوں

۲۰ لک

اور اس کے لیے
آؤ پوری عقیدت سے ہم نیک روحوں کے ممنون ہوں
جن کے سایوں نے ہم کو
کڑے موسموں کے دنوں اور راتوں میں محفوظ رکھا
۔۔۔۔ کہو اے خرد مند لوگو
تمہیں کونسا سانحہ
اس مقدس شجر کی پناہ گاہ میں
لے کے آیا؟

پہلا بڈھا۔۔ ہواؤں کی باتوں کے عالم
مقدس پروہت
ہم آئے ہیں۔ تاکہ مقدس شجر کے وسیلے سے
مُردوں کی روحوں سے بخشش کے طالب ہوں
تیری وساطت سے
سورج کو اذنِ مسافت ملے ۔۔۔ اور ۔۔۔

دوسرا بڈھا۔۔ ہم آئے ہیں تاکہ
تری مہربانی سے
روشن شعاعوں کے سینوں سے
منحوس اور بدنما بادلوں کی چٹانیں ہٹیں

اور بستی کی مخلوق پر امن ہے

ژگولہ۔۔ ٹھہر اے مرے کیسۂ بطن کی کم عیار اشرفی

پیرِ دانا۔۔ اور تو۔۔۔۔ بودلک

تیری آمد کا باعث؟

بودلک۔۔ مستدعی پروہت

ہمارے مویشی نئی فصل میں روشنی کی تمازت سے محروم ہیں
اور ہمارے خنک جسم بچوں نے سورج کو دیکھا نہیں
اور ہماری سیہ بخت آنکھیں اجالے کی جوئیدہ ہیں
اور ہماری زمیں اپنی چھاتی کے کشکول میں بیج
ڈالے ہوئے گرم کرنوں کی دریوزہ گر ہے

ژگولہ۔۔ مگر اے مرے سورما
تو کہ سورج کی حدت کا دریوزہ گر ہے
بتا
تو مرے جسم کی آنچ سے کیوں رمیدہ رہا
تو نے مجھ سے کہ تیری زن منتخب تھی ہمیشہ کنارہ کیا
دکراہتی ہے، مجھ سے۔۔۔ اے میری ناموس و جاں کے امیں
جس نے اپنی جوانی کی بھرپور مستی تجھے پیش کی
اپنی معصومیت کی بہار

اپنی دوشیزگی کا نشہ
اے قبیلے کے ناداں
تو نے مگر اس کو بھی تج دیا
جو بزرگوں کی برکت سے تجھ کو ملا بودلک

بودلک.. بزرگوں کی رو میں تو ہاتف ہیں
اے میری بے اعتنائی کی شاکی دلہن
صرف اس سوچ سے
میرے جذبات کی آگ
میری جوانی کے تنور میں جل بجھی تھی
کہ جسموں کی قربت کا مفہوم
اک پیکرِ نو کی صورت گری ہے
اور انجام....؟
مُردوں کی آسودگی کے لیے
ایک معصوم کا قتل

پیر داتا.. ہوں۔ تو اسی واسطے بودلک
تو زنِ منتخب سے گریزاں رہا
تاکہ تیرے بزرگوں کا فرمان پورا نہ ہو

پہلا بڈھا.. تو مُردوں کی ناراضگی کا سبب

بودلک ہے؟

دوسرا بڈھا۔۔ تو گویا اسی کی بغاوت سے
آبا کی پرچھائیاں اس قدر مشتعل ہیں
یہ بادلوں کی گرج ان کے غصے کی غماز ہے

بودلک۔۔ پر یہ کیوں لازمی ہے
قبیلے کے دانا بزرگو
کہ مُردوں کی ارواح
اس جانِ معصوم کو
اپنا لقمہ بنائیں
جو میرے توانا بدن کا عرق ہو

دوسرا بڈھا۔۔ ہمارے عقائد کی رو سے
(جو انساں کی تاریخ سے بھی پرانے ہیں)
مُردوں کی روحوں کا حق ہے
کہ وہ صرف خواہش کریں
اور زندوں کا فرض
ان کی تعمیل ہے
جب تلک
موت کا مہرباں ہاتھ اک دوسرے کو

سفید آسمانوں پہ بکھرا کرے
یہی جبر اور صبر کا دائرہ ہے

تیسرا بڑا۔۔ سنو۔۔ رہ صبر میں بدل؟
کس کو جرأت کہ روحوں کے خلاف پہ شک کرے
ہاں مگر جن پہ آسیب سایہ کیے ہوں
کسے حوصلہ ہے کہ مُردوں کے قانون سے منحرف ہو
سوائے تنگ ظرف و کج فہم کوہ گرفتہ دلوں کے

پہلا بڑا۔۔ تو اے بودلک
پھر تماشہ کر آباؤ اجداد کی برہمی کا
ذرا اپنی وادی کی ویرانیوں پر نظر کر
ذرا دیکھ
کیسے زمستاں کی ان زمہریری ہواؤں سے
ہر شاخ، ہر نخل بے برگ ہے بے ثمر ہے
ذرا سوچ پالے کے چنگل نے کیوں
ہر چراگاہ کے سبز ملبوس کو نوچ پھینکا

ڈگولہ۔۔ تماشہ کر اپنے بزرگوں کی برگشتگی کا
کہ میرے بدن کے قفس میں کوئی مضطرب جاں مقید ہے
اور خود کچھ بھی ہو

وہ اس گپھا سے نہ آزاد ہوگی
یہاں تک کہ وہ خول کو توڑ کر بھی
ہواؤں کے اقدس سورج کے نغمے
ابد تک نہیں سن سکے گی

دوسرا بڈھا۔۔ ستم ہے
وہ کرنیں جو غربالِ نخلِ مقدس سے چھن چھن کے
ہم تک پہنچتی ہیں
ان کو بھی تاریک سائے نگلتے چلے جا رہے ہیں
غضب ہے غضب

بودک۔۔ جاگ
اے میری عالم جوانی کے بے آرزو دل
کہ جس کی امیدیں
گئے موسموں کی حزیں اور خنک دھند میں سو چکیں
اے مری ساحرہ
میری ویران آنکھیں جوانی میں ہی
میرے چہرے کی دیوار میں دھنس گئی ہیں
مرے گرم جذبات اوہام کی برف میں دب گئے ہیں
اگر میں خوش اندام دلہن کو وارفتگی میں

گلے سے لگا:

تو اے میرے جد کے جانشیں
وہ پیکر جو میری محبت سے تھا
یہاں کے عقائد کی رو سے
سزاوارِ تیغِ اجل تھا
کہ میری مرادوں کی پہلی کلی پر
حقِ دامنِ رفتگاں ہے
بزرگو!
کبھی تم نے سوچا
کہ اس طفل کی موت
میری صلابت کی غارتگری تھی
اگر میرا جوہر فنا کر دیا جائے... اے برگزیدہ بزرگو
تو پھر میں... کہ وادی کا مضبوط بیٹا ہوں۔
یوں سخت جاں رہ سکوں گا؟
کسی دل دریدہ کو پامرد کہنا کہاں کی صداقت ہے
اے ہوشمندو
جوانی کی شیریں مسرت سے بڑھ کر
وہ مفہوم انسانیت ہے

جو اب تک مرے خون میں موجزن ہے
اگرچہ قدامت پرستی کے زنگار سے گل رہی ہے
گر اے قبیلے کے اعلیٰ بشر
تو نے جو کچھ کیا
میں اسے بھر رہا ہوں
جو بویا تھا تو نے
مجھے کاٹنا پڑ رہا ہے
مجھے دیکھ میں کس بد میں گرفتار ہوں
میرا ناخواستہ طفل ... اسے بود تک
جو ابھی بطن، در میں ہے
اس قدر باشت تک سمجھ گیا ہے
کہ مُردوں کی آسودگی کے لیے بھی
سزاوارِ صدقہ نہیں
میں وہ معتوب ہوں
جس کو جینا بس اس کے لیے مل رہا ہے
کہ جس کا خطاکار تو ہے
یہ عورت!
جسے تو نے تشنہ و محروم رکھا تھا

میری تباہی کا باعث بنی
اب بتا بودلک
کون شاکی ہوا؟
کس کو شکایت کا حق ہے؟
اسے جس نے بویا
کہ اس کو
جسے کاٹنا پڑ رہا ہے؟
بتا کون مجرم ہے؟
اور کون مُردوں کے انصاف کا مستحق ہے
.... سزا تو مجھے دی گئی
پر وہ تو تُو ہے
کہ جو اپنے آبا کے مسلک سے باغی ہوا

دوسرا بزرگ...
ظلم ہے ظلم
وادی کے ہر کھیت پر بانجھ پن کی نحوست ہے
اور مرد و زن ڈھور ڈنگر سبھی بھوک سے ادھ موئے ہو رہے ہیں
چراگاہ پالے کی شدت سے سوکھی پڑی ہے
اندھیرے گھنے جنگلوں کے درندوں کی خونخوار آنکھیں
ہمیں حرص سے دیکھنے لگ گئی ہیں

تلش۔۔ سنا بودلک؟

پیروانا۔۔ اور ابھی یہ تو کچھ بھی نہیں ہے
گروان بلاؤں سے جو
وقت کے گنبد نما سے اترنے کو ہیں
حیف!!

بودلک۔۔ اف یہ بدانصافیاں
جن کا کوئی جواز اور چارہ نہیں
اے بزرگوں کی بے مہر پرچھائیو
مجھ سے کیا چاہتی ہو
تمہیں اپنے اس بطلِ اعلیٰ سے کیا چاہیے
جس کا نخلِ جوانی کشاکش کے آرے سے کٹتا رہا
جس کا دل مر چکا۔۔۔
حیف اے میری پیاری دلہن
جس کے تنور سے گرم اندام کو
میں نے چھونے کی ہمت نہ کی
اور جس کے شکم میں وہ بچہ ہے
جو میرا ہوتا۔۔۔
پر افسوس میرا نہیں

حیف اے میرے آبا کی ذیشان وادی

کہ میں جس کا اجمل جری نبیل فرزند ہوں

آج معبد میں

مُردوں کی روحوں کے روبرو

مجرموں کی طرح ایستادہ ہوں

اے داعیانِ مکافات

تم مجھ سے کیا چاہتے ہو

مجھے کس سزا کا سزاوار گردانتے ہو

مقدس پروہت!

تجھے اہلِ بستی کے مضبوط بیٹوں سے کیا چاہیے

استقامت۔۔۔ دلیری۔۔۔ شجاعت

تو پھر سن

کہ وہ

جس کا دل ریزہ ریزہ ہو

اور رخشِ چوبی کا راکب ہو

اس سورما سے صلابت کی امید۔۔۔ بے سود ہے

بس یہی حال میرا ہے

اب جو بھی چاہو سزا دو مجھے

اے فقیران فرتوت

پہلا بڈھا۔۔ بن باس

ژگولہ۔۔ کراہتے ہوئے ذرا دم تو لے اے میرے غول کر

نارسائی کے اس ن دم لے

دوسرا بڈھا۔۔ نہیں صرف بن باس کچھ بھی نہیں

میں یہ کہتا ہوں

جس نے بزرگوں کی توہین کی

اس کی پاداش میں موت ہے

تاکہ مردوں کی تسکین ہو

پہلا بڈھا۔۔ اے بزرگوں کے اذہان کے ترجماں

بودلک کے لیے جو سزا

تیری حکمت کی رو سے مناسب ہے

تو اس کا اعلان کر

پیر دانا۔۔ ہاں۔۔۔۔ تو

بن باس یا موت

اے اہل بستی کے پیران دانا

سنو!

پاک معبد کی نظروں میں

دونوں گنہگار ہیں
ایک باغی ہے اور دوسرا سازشی
اور بزرگو
ہوائیں یہ کہتی ہیں
اک تو گنہگار کفرانِ نعمت ہوا
جو قبیلے کا فرزند اعلیٰ تھا
اور دوسرا دُزد
جس نے پرائی دلہن کی محبت چرائی
یہ دونوں گنہگار
پہلے تو
اک دوسرے سے نبرد آزما ہوں
یہاں تک کہ ان میں سے اک
موت کا جام پی لے
جو زندہ بچے
اس کو کارک کی بیٹی..... ژوکلہ
کہ اب زچگی کی اذیت میں ہے
تازیانے لگاتی ہوئی
اُن گھنے جنگلوں کی طرف لے چلے

بودلک

جن میں وحشی درندوں کے مسکن ہیں
یہ فیصلہ پاک روحوں کا ہے
میں کاہن ترجماں ہوں

گلش... تو یونہی سہی
بودلک! سامنے آ
کہ تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے
وہ اٹل ہے
مرے دوست نیزہ اٹھا
میں تری آبرو تیری ناموس تیری حمیت کو للکارتا ہوں
میں تیار ہوں اور ـــــ

بودلک... مگر میں نہیں خواہ کچھ بھی ہو

گلش... کیوں؟

ڈگولہ... (کراہتے ہوئے) مجھے مت کہو
اے مری کوکھ کے جانور صبر کر

بودلک... تو میرا دوست ہے
اور میں بھائیوں سے بڑھ کر تجھے چاہتا ہوں
گلش تم نے وہ اجنبی ظلم کیوں کر کیا!

مجھے وہ سکوں بخش حکمت سکھائی
مجھے تو نے وہ حرف رب بتائے
کہ جو عشق ہی عشق ہے پیار ہی پیار

تمش.. خاموش
میں نے کب ایسی کوئی بات تجھ سے کی

تیسرا بڑا.. ہوں... سنا پیر دانا
یہ کتنی خطرناک سازش تھی
اب جس کا اظہار یہ کر رہے ہیں

تمش.. نہیں بودلک جھوٹ کہتا ہے
سب افترا ہے

بودلک.. تو گویا تمش تو اسی علم سے
جس کا داعی تھا تو
دستبردار ہوتا ہے
یہ تیرے آدرش کا ضعف ہے
یا تری بزدلی ہے

تمش.. میں بزدل نہیں بودلک
پر وہ حکمت جو غیروں کی بخشش تھی
بے روح تھی

یہ جو بات ہے اب تک میرے کانوں میں
اس حرفِ اوّل کی جھنکار سی گونجتی ہے
عجب لفظ تھا وہ
ہزاروں معانی کا حامل
عجب خواب تھا وہ
کہ جیسی بھی تعبیر چاہو نکالو
مگر جیسے۔۔۔ وہ لفظ
ان کی زبانوں پہ تھا
لوحِ دل پہ منقش نہیں تھا

بودلک۔۔ گلش تیری سب خوبیاں
تیری نفرت کے بکھرنے سے دھندلا گئی ہیں
اور اب تجھ کو وہ علم بھی کھوکھلا لگ رہا ہے
جسے تو نے درسِ مقدس کہا تھا

گلش۔۔ یقیں؟
کہ وہ اجنبی، حرفِ اول کی تقدیس کو
اس علاقے کی خوش گِل حسیناؤں
اور خوش نما پتھروں کے عوض بیچتے تھے
مگر اس کے باوصف

بودلک

وہ اپنی دانش کے معیار سے

مجھ کو اور میری بستی کے لوگوں کو

تیرہ دماغ اور ضعیف اعتقاد سمجھتے تھے

اے بودلک

میرا ایمان اس لفظ سے اٹھ گیا ہے

جو ان کے وطیرے میں

جنسِ تجارت سے بڑھ کر نہیں تھا

پہلا بڑا۔۔ بدی سے جو از بدی زشت تر ہے

دوسرا بڑا۔۔ دغا باز تو نے قبیلے کی ناموس بیچی

تو اب اس کی قیمت خود اپنے لہو سے ادا کر

بڑھ اور بودلک سے نبرد آزما ہو

یہاں تک کہ دستِ اجل

تیرے کہنہ گرفتہ بدن کو سلا دے

بودلک۔۔ میرے بے وفا دوست

میں تجھ سے کیسے لڑوں

کس طرح میرا نیزہ

ترے جسم کو اپنے واروں سے غربال کر دے

تغلش۔۔ مگر میں تو تیار ہوں

بلکہ جبار سے بھی زیادہ

ڈگولہ.. سنوں میرے جگر کی دھڑکن سنوں

پہلا بڈھا.. (تگلش بھیڑیے کی طرح حملہ آور ہوا

(بودلک تگلش کا وار روکتا ہے)

تگلش میں اگر تجھ سے لڑنا نہ چاہوں... تو بھی...

تگلش.. میں تجھ سے لڑوں گا

ورنہ مجھے اپنی بستی کی سب عورتیں

طنز کے ڈنک سے مار دیں گی

میری روح تنہائیوں کے خرابوں میں

بدحال تنہا بھٹکتی پھرے گی

تیسرا بڈھا.. لڑو بزدلو

تاکہ دونوں کا ناپاک خوں

اس وبا کا مداوا بنے

اس گنہگار وادی کے دامن کو دھو دے

میں نے وادی کو گھیرا ہوا ہے

بودلک.. تو پھر اے مرے دوست... ہشیار!

میں وار کرنے لگا ہوں

پہلا بڈھا.. مرحبا بودلک

دوسرا بڑا۔۔ جیسے چیتا ہرن پر جھپٹتا ہے

تیسرا بڑا۔۔ دونوں ہی کڑیل جواں ہیں

پہلا بڑا۔۔ گلگمش وار کو روکنے میں ہے ماہر

دوسرا بڑا۔۔ مگر بودلک اپنی طاقت میں برتر ہے

پہلا بڑا۔۔ اب دیکھنا دونوں وحشی درندوں کے مثل زمیں کھودتے

ڈگول۔۔ اے مرے روح کے ہم سفر! صبر کر!

پہلا بڑا۔۔ ان کی جاں دادگی سے قبیلے کو طاقت ملے گی

دوسرا بڑا۔۔ بجا۔ اور وادی میں امن و سکوں کی بہاریں پلٹ آئیں گی

تیسرا بڑا۔۔ دیکھنا بودلک وار کرنے لگا ہے

پہلا بڑا۔۔ گلگمش گر رہا ہے ... گلگمش گر پڑا

دوسرا بڑا۔۔ ضرب کاری تھی وہ مر رہا ہے

(گلگمش کراہتا ہے)

ڈگول۔۔ سکوں اے میرے جسم کے زلزلے

میری ہستی کی دیوار گرنے کو ہے

گلگمش (نزع میں) بودلک۔ تُو مرا دوست تھا

ہم لڑے تاکہ روحوں کی منشا کو پورا کریں

اور اب جبکہ میں مر رہا ہوں

مری آخری التجا ہے

کہ تو... میرا مردہ بدن دوش پر ڈال کر
ان سیہ جنگلوں کی طرف لے نہ جا،
جہاں بدنما چیونٹیاں
میری بے آسرا لاش کی منتظر ہیں
کہ میں ان سے خائف ہوں
اور ہاں... قبیلے کے فرزند تو
اس طرف بھی نہ جانا
جہاں اجنبی لوگ رہتے ہیں
اے بودلک.... (دم توڑ دیتا ہے)
پہلا بڈھا.. گلش مر گیا
ڈگول (کراہتے ہوئے)، اف مری جان کتنی اذیت میں ہے
دوسرا بڈھا.. اب بزرگوں روحوں کی آسودگی
پھر سے لوٹ آئے گی
پیر دانا.. جاؤ، اے ساری وادی کے دانا بڈھو!
اور بستی کے لوگوں کو مژدہ سناؤ
کہ اب سے وہ کالے عذابوں سے خائف نہ ہوں
جن کے سایوں نے سورج کو گہنا دیا تھا
کہ ہم ان کی قیمت ادا کر چکے

جاؤ اور محمودوں کو ہدایت کرو
تاکہ وہ دامنِ کوہ میں جمع ہو کر
قبیلے کے باغی کا انجام دیکھیں
تماشا کریں۔ اس کے بدن کا
جس کی گمراہیوں کی سزا ساری مخلوق کو مل رہی تھی

تینوں بڑھے۔۔ بچائے ہمارے نگہبان ہم جا رہے ہیں
(بوڑھے رخصت ہوتے ہیں)

پیر دانا۔۔ اور تم بودلک
اپنے مقتول کی لاش اٹھاتے ہوئے
ان گھنے جنگلوں کی طرف چل پڑو
۔۔۔۔۔اور اسے وردونہ میں گرفتار
عارک کی بیٹی
الحمہ اور اپنے شوہر کو
کوڑے لگاتی ہوئی
پاک ارواح کی سرزمیں سے نکل
تاکہ آبا کی روحوں کی تسکیں ملے
الحمہ گنہگار عورت

ژرال۔۔ (تکلیف میں اپنے بچے کو مخاطب کرتے ہوئے)

نہیں---امن اسے میری بیچارگی کی محبت کے جل

----امن-----

چوتھا منظر

(ڈگولہ درد سے دوہری ہو رہی ہے ایک طرف بودنک، تقش کی، لاش کو کندھے پر ڈالے کھڑا ہے اور دوسری طرف پیرڈ، ہاتھ میں کوڑا لیے نظر آتا ہے۔۔۔)

ڈگولہ۔۔ (کراہتے ہوئے) نہیں اے خردمند درویش

ایسا نہ ہو گا

کہ اس پر مرا ہاتھ اٹھے جو مرد ہے

جس کا نان و نمک میں نے کھایا

اگر میں نے ایسا کیا تو

مرے اس وطیرے سے بستی کی سب عورتیں

مجھ پہ پھٹکار بھیجیں گی

اور پھر یہ اپنے عقائد کی رو سے بھی تو بجا نہیں

اے مقدس پروہت

پیرڈ نا۔۔ عقائد۔۔۔؟

قبیلے کی رسموں کو تُو مجھ سے، بہتر نہیں جانتی
دیکھ کب سے ترا آدمی لاش تھامے
ترا منتظر ہے....
اسے تازیانے لگاتی ہوئی جنگلوں کی طرف
ہانکتی جا
کہ یہ لاش مسکن ہے اس روح کا
جو ہمارے لیے اور ہمارے بزرگوں بھی کے لیے
اجنبی ہے
تری تازیانہ زنی تیری بخشش کا موجب بنے گی
وگرنہ تری کوکھ میں کلبلاتی ہوئی جان
مردہ رہے گی
نہ صدقے کے قابل
نہ بھینٹ کے لائق

ژگولہ.. (اپنی کوکھ سے مخاطب ہو کر) تو کیا میں کسی روزِ بد کے لیے
اے مرے نخلِ جاں کے نوشگفتہ ثمر
تیری نشوونما میں.... اذیت اٹھاتی رہی ہوں
تو کیا
میں کبھی تیری پیدائشی چیخ کی خوشی تو نہیں سن سکوں گی،

بدھک

پیر دانا ۔ ۔ نہیں

جب تلک ان پہاڑوں کے تشنہ بدن

پانیوں کے لیے ترستے ہیں

نہیں

جب تلک اپنے دریاؤں کی خشک جڑی ہوئی نَے

بے فیض اور بدنما آسمانوں سے شکوہ کناں ہے

نہیں

جب تلک ادھ موئے ڈھور ڈنگر ہلاکت کی وادی میں

ڈکرا رہے ہیں

نہیں

جب تلک اپنی بنجر زمینوں کے سینوں میں

اک عمر کی تشنگی سے دراڑیں پڑی ہیں

نہیں اس سمے تک نہیں

جب تلک اپنی بستی میں کالی بلا ہاں کھولے کھڑی ہے

بدھک ۔ ۔ تو پھر اے مری بد مقدر دلہن

بھول جائیں ترا کون ہوں

تازیانہ اٹھا

ور مرے جسم پر اپنی ضربوں سے لہریں بنا

کیونکہ مُردوں کی روحوں کے ہمراہ
زندوں کے ارمان بھی منتظر ہیں
پیر دانا۔۔ تمش کی ہلاکت سے اور تیرے شوہر کے
بن باس سے ہر نحوست چلی جائے گی
اور تُو اس نئے بطل کی ماں بنے گی
کہ جو شان میں اور توانائیوں میں
جواں سال چیتے کی مانند ہو گا
جو اپنے قبیلے کا سب سے بڑا جاں نثار اور جانباز ہو گا
۔۔۔۔اٹھو اور تازیانہ اٹھا
تاکہ بستی پہ پھر امن برسے
بزرگوں کی روحوں کی آسودگی لوٹ آئے
اور اس پاک وادی کی مٹی سے وہ کونپلیں پھوٹ نکلیں
کہ جن کی جڑیں اپنے اجداد کی خاک میں جاگزیں ہیں
اٹھو اے دردِ زہ میں گرفتار عورت
بودک۔۔ ژگول۔
فقط اس توقع پہ
بن باس میں نے قبولا
کہ یوں تیرا بچہ

بوڑلک

عقائد کے سفّاک پنجوں سے بچ جانے کا
دستور کی آواز
دیکھ ادھر دیکھ
اک پیرِ فرتوت
مجمع کی جانب بڑھا ہے
ہماری زبوں قسمتی کے تماشیوں کو
تری کشمکش مشتعل کر رہی ہے
سیہ آسمانوں پہ آبا کی روحیں گرجنے لگی ہیں
ڈگولہ اٹھا اور مجھ کو کوڑے لگا
اٹھا کہ میں لاش کے بوجھ سے تھک گیا ہوں

دوسرا بڑا۔۔

ہواؤں کی آیات کے ترجماں
سن!
یہ لوگوں کا شور ان کی ناراضگی کی علامت ہے
وہ دمبدم مضطرب ہو رہے ہیں
وہ مجرم پہ کوڑے برسنے کی آواز کے منتظر ہیں
اسے اتنا مارو
کہ اس کی قوی ہڈیاں تک چٹخنے لگیں
اسے قبیلے کی بدبخت بیٹی

اٹھا تازیانہ

کہ یہ شور و غل دم بہ دم بڑھ رہا ہے

ہمارے قبیلے کی....؟

بودمک.. ژگولہ کرم کر

کہ میں بوجھ سے مر رہا ہوں

اگرچہ تری تازیانہ زنی کے لیے

اب بھی تیار ہوں میں

ژگولہ.. تو یونہی سہی

الوداع اے مری زخم خوردہ امیدو

بزرگوں کی روحو

مجھے حوصلہ دو

کہ میں اپنے ہی مرد کو تازیانے لگاتی ہوئی

ان نئی بستیوں کی طرف لے چلوں

جن کی حکمت....

کے اسرار سب حرفِ اوّل کے تابع ہیں

لیکن وہاں بھی تو

ظلم اور وحشت کے عفریت آزاد ہیں

ہاں تو یونہی سہی

میں اسے تازیانے لگاؤں گی
جو اپنے مقتول کی لاش کندھے پہ ڈالے
مری ضرب کا منتظر ہے
اسی میں ہی مُردوں کی آسودگی ہے
تو پھر الوداع۔ اے مری ناتمام آرزو
دلِ افگار خوابو
مجھے حوصلہ دو کہ میں
اپنے ہی مرد پر ہاتھ اٹھاؤں

ژگولہ۔۔ (بودلک کو مارنے کے لیے تازیانہ اٹھانے کی کوشش کرتی
ہے کہ کرب سے دوہری ہو جاتی ہے اور تازیانہ ہاتھ
سے چھوٹ جاتا ہے)

بودلک۔۔ مری منتخب آرزو۔۔۔ حوصلہ حوصلہ

ژگولہ۔۔ اف نہیں۔ کوئی اندھی طاقت مجھے روکتی ہے
مرے دل کا دھڑکا
مرے خون کو منجمد کر رہا ہے
نہیں۔۔۔۔ یہ نہ ہو گا کہ وہ
جو مرا آدمی ہے
مرا ہاتھ اس پر اٹھے

(کراہتی ہے)

اس۔۔۔اف

کوئی جیسے مرے خول کو توڑتا پھوڑتا جا رہا ہے

(کراہتے ہوئے گرنے لگتی ہے)

دوسرا بڑا۔۔ اللہ وہ تڑپنے لگی ہے

وو ملک۔۔ سنبھالو۔۔۔ کہ وہ نزع میں ہے۔۔۔ مدد

پیرِ دانا۔۔ حوصلہ

دوسرا بڑا۔۔ یہ سانسوں کی وحشی صدائیں

کہ جیسے کوئی جانور زیرِ خنجر کراہے

بو ملک۔۔ مدد۔۔۔ ظلم۔۔۔ وہ مرگئی

(بچے کی پیدائش پہ چیخ ابھرتی ہے)

پیرِ دانا۔۔ مرگئی۔ پر یہ بچہ تو زندہ ہے

دوسرا بڑا۔۔ دانا رفیقو۔۔۔ ذرا سی نزدیک ہو

(دونوں بڑے قریب آجاتے ہیں)

پہلا بڑا۔۔ مقدس پروہت

ہجوم اس طرف بڑھ رہا ہے

دوسرا بڑا۔۔ چھپا دو

تیسرا بڑا۔۔ کہ بچہ تو زندہ ہے اے پیرِ د،

دوسرا بڑا۔۔ چڑھاوا کہ لوگوں کی ناراضگی ختم ہو

تیسرا بڑا۔۔ انتقام۔۔۔ اے مقدس پروہت

بودلک۔ ۔مگر یہ تو سوچو بزرگو
کہ صدقہ اگر ایک جاں کا زیاں ہے
تو وہ ہو چکا ہے

تیسرا بڑا۔۔ صد افسوس اے بودلک
وہ۔۔۔۔ جسے تجھ کو کوڑے لگانے کا حق تھا
وہی مر چکی

دوسرا بڑا۔۔ اور یہ بچہ ابھی اس کے قابل نہیں ہے

پیر دانا۔۔ ستم ہے

پہلا بڑا۔۔ تو پھر ایسی صورت میں بچے کو قربان کرنا بہت لازمی ہے

بودلک۔۔ یہ بچی جو آشوب جاں میں بھی زندہ رہی
دخترِ امن ہے اے مرے برگزیدو!

پیر دانا۔۔ حیا کر قبیلے کے بدنام بیٹے

بودلک۔۔ تو کیا اس نئی زندگی سے یہ ثابت نہیں ہے
کہ مُردوں کی ارواح بچے کا صدقہ نہیں چاہتی ہیں
بتاؤ!
چڑھاوے پہ مُردے مصر ہیں

کہ زندہ!

پیردانا۔۔ تو پھر اے ہوا تو

کہ تم برگزیدہ بزرگوں کی روحوں کی سب خواہشیں

جانتی ہو

کہ تم پر دوامی صداقت عیاں ہے

ہدایت کرو

(نومولود بچے کی آواز)

بودلک۔۔ تو پھر چیخ اے دخترِ امن

اے جانِ معصوم

اے صوتِ شیریں

کہ تُو ہی تو

اس حرفِ اول کی تصویر ہے

جس سے دنیا عبارت ہے

(بچے کے رونے کی آواز)

اے آشتی کی زباں۔۔۔ چیخ

اے حق و انصاف کی ترجماں

برکتوں کی علامت

کہ تیری بقا کے لیے

تیری ماں اور تیرا باپ
دونوں فنا ہو گئے ہیں
فغاں کر
کہ تیری صدا
ان سیہ آسمانوں کو بھی
چیر جائے
فغاں کر
...... کہ تُو حرفِ اول کی تفسیر ہے
جو عظیم اور برتر ہے

دوسرا بڈھا۔۔ اے پیرزنا
قبیلے کی توقیر خطرے میں ہے
اور لوگوں کا انبوہ وحشت سے پاگل بن
ایک جنگل کی مانند
حرکت میں آنے لگا ہے

پیرزنا۔۔ تو اے وادیٔ مرگ کے ساکنو
جن کی حکمت زمانوں کے زنگار سے بھی نہ دھندلا سکی
اب ہواؤں کی آواز میں
مجھ پہ ظاہر کرو

کس لیے دخترِ امن بھیجی گئی
اسے ہو تو بتاؤ

بوڑھا.. پکارا ہے صداقت کی آواز
امن و سکوں کے لیے چیخ... فریاد کر
کہ یہ سب بھی اس حرفِ اوّل کے پیرو نہیں
جس کی تفسیر تُو ہے
(بچی چیختی ہے)

پہرہ دار.. یہ کیا....
لوگ چونک ہی چپ ہو گئے
جیسے ان کی زبانیں ہی شل ہو گئیں
ہر طرف اک سکوت سا چھا گیا
اور قبیلے کے سب مرد و زن جیسے سکتے میں ہوں
آسمانوں پہ اب بادلوں کی گرج تک نہیں
اور پرندوں کو دیکھو کہ....

پیرِ دانا.. ہاں...
کیونکہ سورج کی چھنتی ہوئی روشنی
ان پہاڑوں کو پھر چومنے لگ گئی ہے
جو دیوتوں کے مسکن ہیں

اور دھوپ کی تابناکی سے

وادی چمکنے لگی ہے

بودلک۔۔ یہ سب دخترِ امن کی

پاک و معصوم فریاد کا معجزہ ہے

یقیناً، یہ دخترِ امن کا معجزہ

جس کے ماں باپ

اسے زندگی بخش کر مر گئے

یہ کرشمہ اسی حرف اول کا ہے

جس سے سارے زمانے عبارت ہیں

جس کی صدا

ہفت آسمانوں کو بھی چیر سکتی ہے جسکا کرشمہ فقط قہر ہے

اے مقدس پروہت

پیر دانا۔۔ فقط

میں فقط قہر کا ترجماں

اور یہ بودلک ان عقائد کا دشمن

جو ہم نے بزرگوں سے حاصل کیے

۔۔۔۔۔ توبہ۔۔۔۔ توبہ

یہ حد سے بری ساعتیں بھی ہمیں دیکھنی تھیں

کہ باغی بزرگوں کی موجودگی میں
مقدس عقائد کو جھٹلا رہا ہے
پہلا بڑا۔۔ میں کہتا ہوں
یہ شخص کرہ گرفتہ ہے باغی ہے سرکش ہے
تیسرا بڑا۔۔ اے پیرِ دانا غضب ہے
کہ اک ذی شرف
سفلہ و کمتریں ہو گیا

دوسرا بڑا۔۔ شرم کر بے حیا شرم کر
دوسرا بڑا۔۔ لوگ ادھر بڑھ رہے ہیں
غضبناک اور مشتعل

ان کے نیزوں سے چنگاریاں پھوٹتی ہیں
پہلا بڑا۔۔ بڑھے ہی چلے آ رہے ہیں
دوسرا بڑا۔۔ قبیلہ چڑھ دوڑے کا خوف ہے۔ اے پیرو،
تیسرا بڑا۔۔ اجازت کہ یہ مشتعل لوگ
باغی کے ٹکڑے اڑائیں
دوسرا بڑا۔۔ اجازت۔ کہ مُردوں کی منشا کو پورا کریں
اور قبیلے کے سب مرد و زن
اس گنہگار پر بھیڑیوں کی طرح پل پڑیں

سب ۔۔

پیردنا۔۔ اور ہوا میں بکی بہ رہی ہیں
کہ تو بودلک
اس غضبناک نجوہ کا سن کر
ہمارے قبیلے کے غدار فرزند
میں حکم دیتا ہوں
جا۔۔۔اور اس شرم کے وتھرے کو لے
جان پہ کھیل جا
(بچہ روتا ہے)

بودلک۔۔ رو۔کہ ہم بدنصیبی کے نخچیر ہیں
رو کہ ہم جرمِ انسانیت کے گہ جے ہیں

پہلا بڑا۔۔ اے زمانوں کے ہادی
گناہوں کی حد ہے
کہ یہ بے حیا اپنے آبا کے قانون کا منہ چڑے

پہلا بڑا۔۔ تو کیا۔۔۔اے بڑی ساحرہ!
وہ سبھی حکمتیں جو بزرگوں کی برکت سے ہم
سب پہ نازل ہوئیں۔۔۔وہ اکارت گئیں
۔۔۔کیا مقدس شجر کی وہ روحیں کہ
جن پہ زمانوں کی برکت اتاری گئی

اپنی توہین برداشت کرتی رہیں گی

نہیں۔

اے مقدس پہاڑوں کی پرچھائیو

یہ نہ ہو گا

کہ اپنے عقائد پہ باغی ہمیں

اور بزرگوں کی وادی میں زندہ رہیں

اپنے آبا کی تقویم خطرے میں ہے

(بچہ روتا ہے)

دوسرا بڑا۔۔ پھر سے تاریکیاں چھا گئیں

آسمانوں پہ بادل گرجنے لگے

تیسرا بڑا۔۔ پھر سے مجمع میں جنبش ہوئی

پہلا بڑا۔۔ انتقام۔ اے مقدس پروہت

قبیلے کے سب مرد و زن مشتعل ہو رہے ہیں

بودلک۔۔ مگر اے بڑو

کیا وہ معصومیت کی فغاں

تم نہیں سن سکے

جس نے اونچے پہاڑوں کو دہلا دیا!

دوسرا بڑا۔۔ کفر کی انتہا ہے

بودلک۔۔ سرود

اے اندھیروں کی وادی میں سچ کی دُھن
رو کہ ہے تو صداقت کی آواز
اس خطۂ جدل میں بے ثمر رائیگاں جائے گی
آ کہ اب موت ہی زندگی کی پناہ گاہ ہے۔ (ہجوم کا
شور اور بچے کا بلکنا)
گاتے جا
دخترِ امن۔۔۔۔ تُو گاتے جا
تیری ماں زندگی سونپ کر تجھ کو
خود مر گئی
اور ترا باپ ممنوع سچ کا نشانہ بنا
گاتے جا۔۔۔ دخترِ امن۔۔۔ تُو
گاتے جا۔۔۔ گاتے جا۔۔۔ اے جہالت کی ظلمت میں پہلی
کرن گاتے جا۔۔۔ گاتے جا۔۔ گاتے جا۔
(ہجوم کا شور بچے کی آواز پہ غالب آ جاتا ہے)

رحیم گل

فراز

گھنے گھنگریالے بال - وجیہ و شکیل فراز - شاعر ایسے تو نہیں ہوتے ؟

اسے ہالی وڈ میں ہونا چاہیے تھا گریگری پیک اور راک ہڈسن کے مقابل الزبتھ ٹیلر کے پہلو بہ پہلو!

یہ نہ ہوتا تو اسے اقوام متحدہ میں ہونا چاہیے تھا کہ سلامتی کونسل کے ہر ریزولیشن کو "ویٹو" کرنے کا شغل جاری رکھتا۔

مگر وہ تو شاعر تھا، شاعر بھی یکتا بے مثال خوبصورت آدمی خوبصورت شاعر۔

یہ خدا بھی عجیب ہے دینے پر آتا ہے تو سب کچھ دے دیتا ہے۔

نورجہاں کو دیکھیے سرور جاں شکل و صورت رشک چمن، چھب نرالی، چال مستانی اور آواز ایسی کہ سنتے جاؤ سنتے چلے جاؤ۔

یہی غلط بخشی فراز کے ساتھ ہوئی مردانگی اس میں، وجاہت اس میں، شوخی اس میں ظرافت اس میں اور شعر گوئی اس پر سوا اور ضدی وہ ایسا کہ برق کوہاٹی مرتے مر گیا فراز نے اس کا دیوان چھپنے نہ دیا۔

آغا برق اس کے والد کا نام ہے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر

کہتا تھا فراز کو ان کی فارسی شاعری پسند تھی غالبؔ یہی وجہ تھی کہ جیتوں بجانوں سے ان کا اردو دیوان شائع نہ ہونے دیا۔

تو پھر۔ شاعرانہ تعلی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ رو استاد کا سفر گھر کی دہلیز سے شروع ہو پھر کوئی دوسرا کیسے شنود کر سکتا ہے کہ فراز نے جی کو جی نہ کہا۔

وہ بے حد سر پھرا آدمی ہے اچھا ہے تو بہت اچھا ضد میں آگیا تو ساری بساط الٹ دیتا ہے فراز نے بھی میرے کوہاٹ کی مٹی سے جنم لیا ہے اس لئے ہمیں تو اسکی سرکشی بھی گراں نہیں گزرتی اس کی شاعرانہ ہٹ اپنی جگہ کہ یہ تو ہر شاعر کو ودیعت ہوتی ہے فراز کی تندی اور خودی کچھ قبائلی روایات کے بھی مرہون منت ہے وہاں کا آدمی کتنا بھی تعلیم یافتہ اور مہذب ہو جائے انا کی شکست کبھی قبول نہیں کرتا۔ ٹوٹ پھوٹ جائے گا مر جائیگا سر نہیں جھکائے گا!

وہ وقت کو سلام نہیں کرتا کج کلاہوں کی آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرتا ہے لوگ اسکے رویئے کو گستاخی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ یہی رویہ اسے دوسروں سے منفرد بناتا ہے۔

ایک بار جناب احمد ندیم قاسمی نے میری موجودگی میں ایک ٹی وی پروڈیوسر سے کہا رحیم گل نے شاہکار ناول لکھے ہیں یہ خوبصورت ڈرامہ نگار بھی ہے لیکن اس کی پٹھانیت اسے ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہے۔

یہ بے حد ناپا تلا تجزیہ ہے یہ تجزیہ مجھ پر ہی نہیں احمد فراز پر بھی صادق آتا ہے بلکہ مجھ سے کچھ زیادہ!

وہ سمجھوتا نہیں کرتا مصلحتوں کا شکار نہیں ہوتا وہ بے حد سخت جان ہے بے حد مستقل مزاج ہے انتہائی حوصلہ مند ہے اس کے سینے میں شاعرانہ گداز دل ہے

لیکن اس کے رویئے میں کوہاٹ کے سنگلاخ پہاڑوں کا عزم ہے

وہ دوستوں میں غیر سنجیدہ برتاؤ رکھتا ہے لیکن بات اصول کی ہو تو بے حد سنجیدہ انسان بن جاتا ہے بے حد ٹھوس انتہائی اٹل!

احمد فراز کا پہلا تخلص شرر برقی تھا ایک بار کسی دوست نے کہا ـــ:
"آج رات بھر نیند نہیں آئی نلکا کھلا ہوا تھا اور ساری رات پانی "شرر شرر" بہتا رہا فراز کی حس لطیف کو "شرر شرر" کی ساؤنڈ ایسی بری لگی کہ اگلے دن "شرر برقی" احمد فراز بن گیا تھا!

وہ ہنستا ہے تو بے تحاشہ ہنستا ہے تب وہ احمد فراز نہیں ہوتا لیکن اسکا دوسرا روپ بالکل ارسٹوکریٹ کا ہے اس کے کالر پر کوئی داغ نہیں ہوتا اسکے سوٹ میں کوئی شکن نہیں ہوتی اور گرد کے ذرات اس کے بوٹوں پر بیٹھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں بلا کی شرارت ہوتی ہے۔

اس کے جسم میں اس کی آنکھیں سارے فساد کی جڑ ہیں وہ ہنستا ہے تو اس کی آنکھوں سے سات سر نکلتے ہیں جوان لڑکیاں ان مہکتے سروں کے طلسم میں اس طرح جکڑ جاتی ہیں جیسے سانپ کی آنکھوں کی کشش سے مینڈک اچھل کر حلق میں جا پڑتا ہے۔

احمد فراز پاکستان کا واحد شاعر ہے جو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے سب سے زیادہ چھپتا ہے اور سب سے زیادہ بکتا ہے وہ فیض سے بڑا شاعر نہیں ہے لیکن ایک اطلاع کے مطابق فیض سے زیادہ رائلٹی لیتا ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں کتاب چھاپنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے وہاں احمد فراز کی کتاب پر ناشر بڑی سے بڑی بولی لگانے کے لیے تیار ہے۔

اور پھر یہ کہ احمد فراز کو اپنی قیمت کا علم ہے اور وہ اسے وصولنا بھی جانتا ہے اس کے باوجود اپنے آپ میں رہتا ہے اساتذہ کا احترام کرتا ہے اور ہم

عصروں کی نفی نہیں کرتا لیکن پھر بھی اس کی شخصیت بے حد متنازعہ ہے۔

جو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں ٹوٹ کر کرتے ہیں اور جو مخالفت کرتے ہیں تجاوز کر جاتے ہیں لیکن اسکی شخصیت اتنی پرکشش ہے کہ آمنا سامنا ہو جائے تو اسیر دشنام پابند سلام نظر آتے ہیں میں جو کٹر مذہبی آدمی نہیں ہوں لیکن خدا کا منکر بھی نہیں ہوں لوگ مجھے دائیں کیمپ کا آدمی سمجھتے ہیں تو مجھے اس پر اعتراض بھی نہیں ہوتا لیکن فراز جو قطعی بائیں کیمپ کا آدمی ہے مجھے کبھی اجنبی نہیں لگا کبھی غیر نہیں لگا اس میں اپنائیت ہے یقین ہے اس میں شدید قربت کا احساس ملتا ہے وہ جو چھٹی حس ہوتی ہے اور آدمی کی پہچان کراتی ہے۔

وہ وجدانی تعارف، وہ عرفان مخلوق کا ذائقہ اور وہ فطری ربط و رشتہ چپ و راست کی سطح پر سوچنے والے دانشوروں سے زیادہ عالی ظرف ہے۔

لاہور میں اس سے جب بھی ملاقات ہوئی ہوٹل میں سڑک پر یا کسی ادبی تقریب میں کشور ناہید اور یوسف کامران کی معیت میں

ایک اس کے دائیں ہوتا ہے اور دوسرا اس کے بائیں ایک کا رنگ سانولا اور دوسرے کا رنگ گندمی اور تیسرے کا گورا دو شاعر ایک تنقید و تبصرہ کا آدمی یہ اتحاد ثلاثہ خوب ہے!

فراز جہاں بھی جاتا ہے رنگ اس کے قدموں میں بکھر جاتے ہیں ہر شہر میں اس کے چاہنے والوں کے ہجوم رہتے ہیں۔

سنا ہے فراز کی زندگی بنانے اور اس کی فطرت میں سیمابی کیفیت بھرنے میں اس کے پہلے عشق کا بڑا دخل ہے جو اس نے کم عمری میں کیا۔ جس کی کسک وہ آج تک دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے

لیکن اب۔ ؟

بقول محسن احسان اب مستقل عاشق ہے۔ پچھلی ربع صدی میں اس کی

بودلک

زندگی میں شائد ہی کوئی لمحہ ایسا آیا ہو جب وہ کسی کی زلف گرہ گیر کا اسیر نہ رہا ہو۔ ایک رومان اختتام کو نہیں پہنچتا کہ دوسرے کی ابتداء ہو جاتی ہے

احمد فراز کا خاکہ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے دراصل بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے معاملے میں کتنی ہی احتیاط کیوں نہ برتی جائے، کہیں کچھ گڑبڑ ضرور ہو جاتی ہے، کہ اگر گڑبڑ نہ ہو تو ان کے شایانِ شان خاکہ لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ فراز کی شخصیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اس بھلے آدمی کی زندگی کی ورق گردانی کیجئے تو قدم قدم پر خطرے کا نشان نظر آئے گا، ہوش مندی سے اس نے کبھی کوئی کام کیا ہی نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ دوسروں کی طرح زیادہ ہوش مند ہوتا تو اتنا بڑا شاعر نہ بن سکتا۔

فارغ بخاری